مومن خاں مومنؔ کی منفرد شعری بوطیقا

Poetics of Momin Khan Mimin

DOI:https://doi.org/**10.54692/**nooretahqeeq.**2024.08022210**

ڈاکٹر محمد نوید

Dr. Muhammad Naveed
Head of Department, Urdu& Regional Language
Karakoram International University, GilgitBaltistan

ڈاکٹر طاہر نواز

Dr. Tahir Nawaz
Assistant Professor, Department of Urdu & Regional Language
Karakoram International University Gilgit-Baltistan

Abstract:

In this paper, a detailed light has been thrown on the unique style and poetic characteristics of the famous ghazal poet Hakeem Momin Khan Momin of the 19th century. Unlike his contemporaries, Momin set a different path for his poetry. He is a poet of beauty and love and through this specific subject, he added to the field of Urdu ghazal and in the era of poets like Zouq and Ghalib, got a distinguished position.

Keywords:

Momin Khan Momin, Urdu poet, Urdu Poetry, Poet of beauty and love, Urdu Ghazal

اس مقالے میں انیسویں صدی کے نامور غزل گو شاعر حکیم مومن خان مومنؔ کے منفرد اسلوبِ بیان اور شعری خصائص پر تفصیلاً روشنی ڈالی گئی ہے اور اُن کے کلام سے امثال کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ مومنؔ نے اپنے معاصرین کے برعکس اپنی شاعری کے لیے ایک الگ راہ کا تعیّن کیا۔ وہ حُسن و عشق کے شاعر ہیں اور اسی مخصوص مگر محدود موضوع کے ذریعے اُنھوں نے اُردو غزل کے میدان میں اضافے کیے اور غالبؔ و ذوقؔ جیسے شعرا کے عہد میں امتیازی مقام حاصل کیا۔

ے   شاعری اپنی ہوئی نیرنگیٔ دانش وری

جو سُخن ہے سو طلسم راز بطلیموس ہے (۱)

انیسویں صدی کے دور میں دلّی میں جن باکمال شعرا نے آنکھ کھولی، اُن میں حکیم مومن خاں مومنؔ مُنفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ وہ ایسے شاعر تھے کہ جن کی خاکِ پا شاعری کے باب میں اکسیر تھی اور وہ سخن دانی میں گوہرِ یکتا تھے۔ ان کا نام اُردو شاعری میں اپنے محاسنِ کلام کے باعث تادیر زندہ رہے گا۔ اُنھوں نے جُملہ اصنافِ سخن یعنی غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، واسوخت اور رباعیات و قطعات میں طبع آزمائی کی مگر میدانِ غزل میں اُن کے اشہبِ خیال نے خوب جُولانیاں دکھائیں۔ اس نازک خیالی، بلند پروازی، حُسنِ بیان اور جدّتِ ادا نے اُن کے اشعار کو تاثیر اور توانائی بخشی۔

مومنؔ کی غزل میں اُس تہذیب و معاشرت کا مزاج پوری طرح موجود ہے جس کے سائے میں اُنھوں نے زندگی بسر کی۔ اس کی بنیادی صفات خود اُن کے مزاج میں رچی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اس صورتحال نے اُن کی غزل میں عمومیت، یکسانیت اور یک رنگی پیدا نہیں کی۔ اُن کی شخصیت کی انفرادیت اُن کی غزل میں بھی اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔

اُردو غزل میں اگرچہ حیات و کائنات کے مسائل کے بیان کی گنجائش ہر طرح موجود ہے۔ فلسفہ، تصّوف، حکمت، اخلاق اور زندگی کے گوناگوں پہلوؤں پر شعرا نے روشنی ڈال کر اُردو غزل کے دامن کو وسعت بخشی مگر مومنؔ کے یہاں معاملہ کچھ اور ہے۔ اُنھوں نے غزل کو عشق و محبت کے معاملات اور ان سے منسلک احساسات کے اظہار کا ذریعہ بنایا اور یہی ان کی غزل کا بنیادی موضوع ہے۔ عشق کے میدان میں اُن کے مشاہدات ذاتی و عملی تھے، جن کے نقوش اُن کی غزل میں اُبھر آنا ایک فطری عمل تھا۔ مومنؔ نے اپنی غزل میں صرف عشقیہ شاعری کو جگہ دی اور دیگر مسائل و موضوعات سے غزل کی صنف کو ملوث نہیں کیا۔ اسی سبب اُن کی غزل کی فضا ایک خاص تاثر پیدا کرتی ہے اور اُن کے یہاں تخیل کی رنگینی اور جذبات کی فراوانی موجود ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کا کہنا ہے:

> ”مومنؔ نہ فلسفے کے مُبلغ ہیں نہ اخلاق کے پرچار کرنے والے اپنی غزل میں وہ صرف ایک شاعر اور ایک آرٹسٹ نظر آتے ہیں۔ اُن کی شخصیت میں انفرادیت، اُن کے تخیل میں رنگینی اور اُن کے جذبات و احساسات میں رعنائی ہے۔ یہی انفرادیت اور رنگینی و رعنائی اُن کی غزلوں میں ایک بھرپور اور رچے ہوئے انداز میں نظر آتی ہے۔“(۲)

مومنؔ اپنے عہد کے خالص رُومانوی شاعر تھے۔ اُنھوں نے اُردو شاعری میں تصوّف اور فکر و فلسفہ کے روایتی رنگ کو قبول نہ کیا بلکہ عشقیہ شاعری ہی کو اپنے فن کی بنیاد قرار دیا۔ نیاز فتحپوری کا خیال ہے:

> ”مومنؔ نے اپنے سارے کلّیات میں سوائے حکایاتِ حُسن و عشق کے کسی اور چیز سے

سروکار نہیں رکھا۔"(۳)

مومنؔ کا کلام مجموعی طور پر عشقِ مجازی میں ڈوبا ہوا محسوس ہوتا ہے مگر یہ عشق میرؔ جیسا نہیں بلکہ جرأتؔ اور انشا کی طرح کا ہے۔ عشقیہ جذبات و کوائف داخلی ہیں کہ مصنوعی جذبات سے اُنھیں رغبت نہ تھی۔ اس سلسلے میں کلب علی خاں فائق لکھتے ہیں:

"یہ عشق وہی ہے جو عام طور سے اُردو غزلوں میں ملتا ہے، اس کے کرشمے بھی وہی ہیں: وصل، ہجر، اشک، جنوں، آہ و فغاں، انھیں کا مختلف پیرائے میں مومنؔ کی غزلوں میں بھی بیان ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جذبات کچھ نئے نہیں۔ تمام غزل گو شعراء انہی مضامین کا سہارا لیتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ مومنؔ ان پر رسماً طبع آزمائی نہیں کرتے، اُن کا دل ان کوائف سے آشنا تھا۔"(۴)

بِلا مُبالغہ اُردو غزل کے ہر شاعر کے ہاں معاملاتِ قلب اور حُسن و عشق کی وارداتِ بیان ملتا ہے۔ اُردو غزل کے کثیر اشعار عشق و عاشقی، محبوب کے ظلم و جفا اور ہجر و وصل کے مضامین کے لیے مخصوص نظر آتے ہیں۔ مومنؔ نے ان موضوعات پر اشعار کہے تو کوئی مختلف کام نہیں کیا لیکن اس کے باوجود مومنؔ کی شاعرانہ اہمیت تسلیم کی جاتی ہے کیوں کہ اُنھوں نے ان امور میں جو انداز روا رکھا، وہ انسانی نفسیات کے زیادہ قریب نظر آتا ہے۔ مومنؔ کی شہرت اس لیے زیادہ ہوئی اور نقادوں نے اُنھیں اس لیے زیادہ پسند کیا کہ اُنھوں نے گھٹیا شعری روایت سے انحراف کیا اور اُن کی شاعری میں پہلی مرتبہ عاشق ہرجائی کے رُوپ میں دکھائی دیتا ہے اور محبوب سے پیچھا چُھڑاتا نظر آتا ہے:

ے میں بھی کچھ خوش نہ تھا وفا کر کے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی(۵)

مومنؔ کے یہاں روایتی عشقیہ اشعار بھی ملتے ہیں مگر اُن کا اصل رنگ چھیڑ چھاڑ والے اشعار میں جھلکتا ہے:

ے اُس غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شُعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو(۶)

مومنؔ کی شخصیت کا جمالیاتی پہلو سب سے نمایاں تھا اور اسی ذوقِ جمال کی تسکین کے لیے وہ عاشقی بھی کرتے تھے اور شاعری بھی۔ اسی ضمن میں ادریس صدیقی لکھتے ہیں:

"اُن کی عاشقی میں رنج و ملال نہیں، بلکہ حُسن و جمال تھا، اُن کی شاعری میں بھید رد و غم کی لہروں کے بجائے ایک سرخوشی کی موج ہے، عشق اُن کے لیے آزار نہیں بلکہ نشاطِ رُوح کا سامان ہے۔ محبت اور حُسن پرستی ان کے جسم و جان میں بسی ہوئی ہے لیکن یہ

محبت میرؔ کی محبت نہیں، مومنؔ کی ہے؛ جو عشق کو دل کا مشغلہ سمجھتے ہیں جان کا روگ
نہیں۔"(۷)

مومنؔ کی شاعری میں جذبۂ دل سے زیادہ حُسنِ نظر کو اہمیت حاصل ہے۔ مثال کے طور پر یہ شعر دیکھیے:

میری نگاہِ خیرہ دکھاتے ہو غیر کو
بے طاقتی پر سرزنشِ ناز دیکھنا(۸)

مومنؔ اپنی زندگی میں عشق کی ہر منزل، ہر تکلیف و اضطراب اور خوشی و مسرّت کے جذبات سے بارہا گزرے۔ اُن کے کلام میں عشقِ مجازی کے اس پہلو کے حوالے سے رشید حسن خان نے اپنے مضمون "مومنؔ کی پیچیدہ بیانی" میں تحریر کیا:

"انسانوں میں جب تک جسم و جاں کا رشتہ برقرار رہے گا اور جسم و جنس کے مطالبے اپنا حق طلب کرتے رہیں گے، اُس وقت تک مومنؔ کی غزلوں کے وہ اشعار سدابہار اور مقبولِ خاص و عام رہیں گے۔ جن میں نہ بے جا صنعت گری ہے اور نہ تقلیدی معنی آفرینی، بس طلبِ وصل ہے اور شکایتِ ہجر، لذتِ بوسہ و دُشنام کا تذکرہ ہے یار قابت کے طعنے اور ان سب متعلقات جو لذت طلبی اور عیش کوشی کے کاروبار میں ہمیشہ پیش آتے رہیں گے۔"(۹)

مومنؔ کا یہ شعر مُلاحظہ کیجیے:

اس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا ذلیل
میں کُوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا(۱۰)

مومنؔ کی شاعری کی ایک خصوصیت معاملہ بندی ہے۔ فارسی میں مرزا اشرف جہاں قزوینی کو معاملہ بندی کا موجد کہا جاتا ہے اور اُردو میں جرأتؔ نے اس انداز کو مستقل حیثیت بخشی۔ ان کی غزل پر انتقاد کرتے ہوئے اکثر جرأتؔ کا نام آتا ہے۔ ناقدینِ اردو ادب کے نزدیک دونوں کی طرز میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ وارداتِ عشق کے بیان یعنی معاملہ بندی میں جرأتؔ کو خاص دستگاہ حاصل ہے لیکن مومنؔ سے اُن کی کوئی نسبت نہیں۔ اس کا اول سبب تو یہ ہے کہ جرأتؔ کا ماحول مومنؔ سے بالکل مختلف تھا۔ ایک طرف لکھنؤ میں دولت کی فراوانی اور عیش و نشاط کی گرم بازاری تھی اور دوسری جانب دہلی کے ماحول میں بے اطمینانی اور نقاہت کا اثر تھا۔ جرأتؔ جو چاہتے کہہ گزرتے تھے اور مومنؔ پر رنگینی کے باوجود مذہبیت غالب تھی۔ پھر یہ کہ جرأتؔ امرا کے یہاں مصاحب پیشہ کی حیثیت رکھتے تھے اور مومنؔ بادشاہِ وقت کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں کی طرز میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ صغیر بلگرامی تحریر کرتے ہیں:

"جرأتؔ اس رنگ کے موجد تھے مگر بہ سبب کم علمی کے بہت کُھل گئے تھے۔ مومنؔ خان کے علم نے ان واقعات کو مُشکل بندش اور نرالی ترکیبوں سے ایسے پردے میں رکھا کہ اداشناس ہی اس کے مزے کو جانتا ہے۔"(۱۱)

جرأتؔ کے اشعار میں معاملاتِ عشق کا جو براہ راست اور کُھلا اظہار ہے وہ زیادہ پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا۔ مومنؔ کے یہاں بھی رندی اور ہوس ناکی کا بیان ملتا ہے مگر اُن کے اندازِ بیان نے اُن کی پردہ پوشی کر لی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی لکھتے ہیں:

"جرأتؔ کا معیار عامیانہ ہے۔ اُن کے کلام میں اور پھکڑ پن میں صرف چند ہی قدم کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ ممکن ہے اُن کا کلام نوجوانوں اور بوالہوسوں کے دلوں کو لُبھاتا رہے لیکن اہلِ مذاق اور اربابِ ذوق و نظر ہمیشہ اُن کے مقابلے میں مومنؔ کا کلام پسند کرتے رہیں گے۔"(۱۲)

مومنؔ کا حساس دل اپنے عشق کو فراموش نہ کر سکا اور وہ اسی کے نت نئے شاخسانے اپنی غزلوں میں پیش کرتے رہے۔ اُن کے گوشت پوست کا محبوب ان کی رگوں میں خون کی گرمی اور روانی بڑھاتا رہا، چنانچہ مثالی اور افلاطونی عشق کی کوئی بنیاد قائم ہی نہ ہو سکی اگر ایسا ہوتا تو پھر مومنؔ کا محبوب پہچانا نہ جاتا اور بھیڑ میں گم ہو جاتا۔ مومنؔ اپنی عشقیہ شاعری میں کھل کھیلنے کا منظر پیش کرتے ہیں۔ وہ جرأتؔ نہیں بنتے کیونکہ اُن کے یہاں پاسِ ادب بھی ہے۔ مومنؔ نے اپنے رنگِ تغزل میں سچّائی کا عنصر پیدا کر کے اُسے رسمی اور روایتی بندشوں سے آزاد کر دیا۔ اُنھوں نے اپنی نکتہ یابی، نازک خیالی اور شوخیٔ ادا سے اسے تیر نیم کش بنا دیا۔ ان کے یہاں پردہ و چلمن صرف روایت ہی نہیں بلکہ حقیقت بھی ہیں۔ اُنھوں نے غزل کی فرسودہ روایت پر اپنی انفرادیت کا رنگ چڑھا کر قدیم تہذیبی اقدار کو نئی صورت بخشی۔ غالباً اُردو میں پہلی مرتبہ عشق پردہ نشیں کا ذکر ہنر مندانہ توازن اور تحت الشعوری واقفیت کے ساتھ کر کے اُنھوں نے مواد و ہئیت کی دوئی مٹادی۔ یہ صورت ایک طرف اُن کی شاعری میں خوب صورت گُل بُوٹے سجا رہی ہے اور دوسری جانب اُن کی دنیا محدود بھی کرتی ہے۔ اس کے باوجود مومنؔ کی شاعری پر کاملیت اور تکمیلات کا احساس ہوتا ہے۔ مومنؔ کے ہاں بوطیقا بنتی ہے کہ محدود دائرے میں بھی اچھی اور عمدہ شاعری ممکن ہے۔ یہاں تک کہ قاری تخلیق کار کے جذبات میں شریک ہو جاتا ہے اور اس کے احساسات بھی بیدار ہو جاتے ہیں:

لے شبِ وصلِ غیر بھی کاٹی
تو مجھے آزمائے گا کب تک(۱۳)

مومنؔ کا کمال یہ ہے کہ اُنھوں نے پیچ پا اُفتادہ موضوعات پر قلم اُٹھایا تو اُن میں بھی نیا رنگ و آہنگ پیدا کر

دیا۔ مومنؔ کی غزل میں عشقیہ اشعار کا مطالعہ کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گویا پہلی مرتبہ ہم یہ باتیں سُن یا پڑھ رہے ہیں، یہی مومنؔ کی انفرادیت کا راز ہے:

؎ غیروں پہ کُھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غمّاز دیکھنا(۱۴)

؎ اثر اُس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا(۱۵)

مومنؔ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اگرچہ اپنی غزل کو صرف عشقیہ مضامین تک محدود کر دیا تھا پھر بھی اُنھوں نے اپنی طرزِ خاص کی مدد سے تغزل کی تعمیر جرأتؔ سے زیادہ بلند مقام پر کی ہے۔ عشق اُن کا تجربہ ہے لہٰذا اُن کے اشعار میں اثر کی فراوانی ہے۔ امداد امام اثر لکھتے ہیں:

''جوانانہ انداز کے ساتھ تہذیب کی عنان کبھی ہاتھ سے نہیں دیتے۔''(۱۶)

تہذیب کی عنان کو تھامنے کی خاطر مومنؔ نے رمزی اور کنائی پیرایہ اختیار کیا تا کہ جو بات کہی جائے اُس میں رکھ رکھاؤ اور پردہ باقی رہے۔ یہی پردہ داری ور کھ رکھاؤ اور بے پردگی مومنؔ اور جرأتؔ کے مابین ایک حدِ فاصل ہے:

؎ بس کہ اک پردہ نشیں کے عشق میں ہے گفتگو
بات بھی کرتے نہیں جُز صنعتِ ایہام ہم(۱۷)

مومنؔ کی شاعری کا پُر لطف حصّہ وہی ہے جس میں اُنھوں نے عاشقانہ معاملات کنایہ کے پیرایے میں بیان کیے ہیں۔ ڈاکٹر شکیل الرحمن رقم طراز ہیں:

''مومنؔ کی شاعری کا دائرہ محدود ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس کے پہلو مختلف انداز سے اجاگر ہوتے ہیں۔ جو پہلو ہیں اُن پر بھی طرح طرح سے روشنی ڈالنا ممکن نہیں۔۔۔ محسوسات کی ایک چھوٹی سی پیاری سی دنیا ہے جو اپنا مخصوص رنگ و آہنگ رکھتی ہے۔ اس کی اپنی ایک پیاری سی عورت ہے جو تخیل کے کئی رنگ لیے ہوئے ہے۔ اُس کے حسّیاتی اور محسوساتی پہلو ہلکے ہلکے طور پر اُبھرتے ہیں۔''(۱۸)

مومنؔ کو آفاقیت کی تلاش نہ تھی، وہ اپنے عشقیہ کیف و مستی میں مگن تھے۔ وہ معنی آفرینی اور نازک خیالی کی اپنی بوطیقا مرتب کرتے ہیں، جس کے پس منظر میں اُن کا اسلوب وضع ہوتا ہے جو اپنی ناہمواری کے باوجود پُرکشش ہے اور اُردو غزل کی نئی راہیں متعیّن کرتا ہے۔

بِلاشُبہ مومنؔ نے بعض بنیادی جذبوں کو اپنے مُنفرد انداز میں پیش کیا ہے وہ رنگین اور پُرکار تجربات کے تخیل

سے جاذبِ نظر بن گئے ہیں۔اُن کا لب و لہجہ اپنا ہے، منفرد لفظیات کا ذخیرہ ہے لہٰذا قدیم تجربات کو اپنے لب و لہجے اور مُنفرد لفظیات سے تازہ کر دیا اور اشاروں اور کنایوں سے ان تجربات کو معنی خیزی عطا کر دی ہے۔ایسے انداز میں اشعار کہتے ہیں کہ اکثر چند لمحات تک قاری خود کو اُن اشعار کی گرفت میں محسوس کرتا ہے اور یہ ایک مہذب تخلیقی شاعر کا کارنامہ ہے:

میرے تغیر رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے(۱۹)

مومنؔ جمالیاتی بصیرت کے نہیں بلکہ جمالیاتی مسرّت کے شاعر ہیں جو معمولی اور عام طور پر محسوس کیے ہوئے تجربات کو ذہنی کیفیات سے ہم آہنگ کر کے جمالیاتی انبساط عطا کرتے ہیں۔وہ ایسے رومانی جمالیت پسند غزل گو شاعر ہیں جو اپنے جمالیاتی تجربات کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کا اخلاقی معیار بھی لائے ہیں۔اُن کی شاعری میں دیکھا جائے تو حُسن وعشق ایسے موضوعات ہیں جو اخلاقی اقدار کی علامات بنتے دکھائی دیتے ہیں۔اُن کا پُر کیف حسیّاتی لب و لہجہ اکثر اُن کی شاہد بازی، صورت پرستی، رنگین مزاجی اور عاشقانہ فطرت کو نئی تازگی بخشتا ہے۔

مومنؔ کا ڈکشن اُن کے مخصوص مزاج کی پیداوار ہے ۔یہی وجہ ہے کہ یہ اپنی نزاکت سے پہچانا جاتا ہے۔ شخصیت کا سوز وگُداز تجربات کے ذریعے لفظیات میں بھی پیدا ہوا ہے۔اُن کی تراکیب بھی تجربات کے پیشِ نظر جاذبِ نظر بن جاتی ہیں۔وہ اپنے تجربات کو اپنے منفرد انداز میں کچھ اس سلیقے سے پیش کرتے ہیں کہ اُنھیں لاکھ رسمی تجربات سے تعبیر کیا جائے، وہ رسمی نہیں رہتے، شاعر کے تخیل کی کارفرمائی اور اسلوبِ بیان کے حُسن سے یہ تجربات اُن کے ذاتی مُنفرد تجربات بن جاتے ہیں۔

مومنؔ کی غزل کا ایک نمایاں وصف داخلیت یا دروں بینی بھی ہے۔داخلیت اُن پر اس قدر چھائی ہوئی تھی کہ اُن کے قصائد اور مثنویات جو دراصل خارجی شاعری کے لیے وضع ہوئے تھے، داخلی رنگ میں رنگے ہوئے دکھائی دیتے ہیں:

اہلِ ماتم اپنے روئیں کس طرح منہ ڈھانک کر
مرتے مرتے پاس اس پردہ نشیں کا تھا ہمیں(۲۰)

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی مومنؔ کی شاعرانہ خصوصیت داخلیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"غور کرنے کا مقام ہے کہ اس دور میں جب دہلی میں شاہ نصیرؔ اور لکھنو میں شیخ ناسخؔ جیسے استاد خارجی شاعری کا علم بلند کیے ہوئے تھے۔خود اُن کے نامور معاصر ذوقؔ اور غالبؔ بھی اس میدان میں قدم مار رہے تھے۔مومنؔ نے ان سب سے الگ اپنی راہ نکالی اور

ملک سے اپنی امتیازی حیثیت تسلیم کرالی۔"(۲۱)

مومنؔ کے کلام کی ایک اور اہم خصوصیت سہلِ ممتنع ہے، مومنؔ نے جہاں جہاں اس سے کام لیا ہے، وہاں اُن کی استادانہ شان نمایاں ہے۔ اس کے علاوہ اُن کے کلام میں یادوں کے ایک لطیف رشتے کا احساس بھی ملتا ہے۔ اُن کا شیریں اور نرم لب و لہجہ اُن کی ایک بہت مشہور غزل کی یاد دلاتا ہے، جس میں اُنھوں نے محبوب کو گزرے دنوں کی یاد دلائی ہے۔ یہ پوری غزل معاملہ بندی کی ایک مکمل تصویر پیش کرتی ہے۔ اس غزل کا اوّلین شعر درج ذیل ہے:

ے وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو(۲۲)

اس پوری غزل میں محبت کی واردات کی لطافت اور اسلوبِ بیان کی حلاوت سے قطع نظر بحر کی موسیقیت بے اختیار دل کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ مومنؔ کے کلام کی ایک نمایاں خوبی نازک خیالی ہے۔ انھوں نے جس قدر اسالیبِ بیان میں نزاکت و لطافت پیدا کر دی ہے، وہ اُن کی ذہانت اور جولانی طبیعت کی تماشا گاہ محسوس ہوتی ہے۔ ان کا اندازِ بیان کہیں کیفیت سے خالی نہیں ہے۔ کہیں کہیں یہ نزاکتِ خیال مضمون آفرینی کی بھی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ متاخرین شعرائے فارسی نے مضمون آفرینی اور تازہ گوئی کو اپنا محور و مرکز قرار دیا ہے۔ انھیں یہ ورثہ اپنے پیش روؤں سے ورثے میں ملا ہے مگر اُنھوں نے اسے محض مضمون آفرینی یا خیال بندی کا طلسم نہیں بنایا بلکہ اس میں تنوع پیدا کر کے اسے زندگی سے زیادہ قریب کر دیا۔ یہ درست ہے کہ مومنؔ نے اپنے ابتدائی دور میں محض تخیل کی پرواز کی خاطر شعر کو چیستان بنا دیا تھا مگر ان عارضی لمحات کو مومنؔ کی پوری شاعری کے لیے فیصلہ کُن خیال نہیں کہا جا سکتا۔ مجموعی طور پر اُن کے یہاں جذبات اور تخیل کے امتزاج سے نازک خیالی نے جنم لیا ہے۔ مثلاً

ے جانے دے چارہ گر شبِ ہجراں میں مت بلا
وہ کیوں شریک ہو مرے حالِ تباہ میں(۲۳)

مومنؔ کی نازک خیالی کا سلسلہ اُن کے مکرِ شاعرانہ سے جا ملتا ہے، جس میں وہ بظاہر محبوب کے ہمدرد بن کر اُس کی موافقت کرتے ہیں لیکن درپردہ وہ اپنا مقصد پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ مومنؔ کا مقصد اس سے محبوب کو مُغالطے میں رکھنا یا خود منطقی مبالغوں میں مبتلا ہونا نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو داؤ پیچ وہ استعمال کرتے ہیں، اُنھیں ایک معمولی ذہن کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ اُن نازک خیالی بات کو سادہ طریق سے ادا نہیں کرنے دیتی۔

ے منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں(۲۴)

مومنؔ کے خیالات نازک اور مضامین عالی ہیں۔ یہ استعارات اور تشبیہات کے زور سے اور بھی عمدہ ہو جاتے

ہیں۔ ان میں معاملاتِ عاشقانہ عجب مزے سے ادا کیے گئے ہیں اور اس لیے جو شعر صاف ہوتا ہے، اُس کا انداز جرأت سے جا ملتا ہے اور اس پر وہ خود بھی نازاں تھے۔ مومنؔ کا عہدِ عشق حسینوں سے چھیڑ چھاڑ اور رقیبوں سے نوک جھونک میں بسر ہوا، اس لیے اُن کی غزل میں شوخی اور طنز کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ شوخی اور ظرافت و طنز کا اظہار اعلیٰ ذہانتِ طبع اور قدرتِ کلام کے بغیر ممکن نہیں۔ مومنؔ کی پیچیدہ بیانی اُن کے کلام کا ایک نمایاں وصف ہے۔ اُن کے کلام میں بڑی تعداد میں ایسے اشعار موجود ہیں جو بیان کی غیر ضروری اور غیر مُستحسن پیچیدگی سے گراں بار ہیں اور معنی آفرینی کے اُس انداز کی یاد دلاتے ہیں، جس کا عام طور پر دبستانِ لکھنو کی خصوصیاتِ شاعری میں تذکرہ ملتا ہے۔ مومنؔ کے کلام پر پیچیدہ بیانی اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ غزلوں کی غزلیں اس رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ اس کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اصطلاحی معنوں میں یہ معنی آفرینی ہے، جس نے پیچیدہ بیانی کا پیرایہ اختیار کیا ہے۔ رشید حسن خان معنی آفرینی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"شعر میں معنی آفرینی سے مراد یہ ہے کہ مانوس یا عامتہ الورود باتوں میں نئے پہلو نکالے جائیں یا اُن کو نئے پہلو سے دیکھا جائے۔"(۲۵)

دبستانِ لکھنو میں شیخ ناسخؔ اس طرز کے ممتاز ترین ترجمان تھے۔ جب مومنؔ نے شعر گوئی کا آغاز کیا تو اردو شاعری کی فضا ناسخؔ کی شہرت سے مامور تھی۔ اس لیے مومنؔ فطری طور پر اس طرز سے متاثر ہوئے اور یہ تاثر اُن کے یہاں گہرا ہوتا گیا اور کسی نہ کسی طرح وہ تمام عمر اس کے اسیر رہے۔ اس سبب اُن کی غزلوں کا ایک بڑا حصہ بے مزہ اور بے کیف بن گیا۔ اس انداز کے کچھ اشعار دیکھیے:

ے میرا گلا ہنسی سے یوں ہی گھونٹتے تھے وہ
کیا سوچ کر رقیب خوش آیا، خفا گیا(۲۶)

ے آخر اشکوں کے بھر آنے نے ڈبویا ہے مجھے
چشم کا سوراخ لو کشتی کا روزن ہو گیا(۲۷)

مومنؔ کے کلام میں معنی آفرینی کا وہ انداز شامل ہے جو ناسخؔ سے نسبت رکھتا ہے۔ اُن کے دیوان کے ہر حصے سے ایسی مثالیں تلاش کی جا سکتی ہیں۔ مومنؔ کی پیچیدہ بیانی محض لفظی ہے اور اُن کے اصل خیال میں کوئی گہرائی نہیں۔ اُن کی پیچیدہ بیانی کے پیچھے کوئی فکری پہلو نہیں ملتا۔ غالبؔ کے اکثر مشکل اشعار کو سمجھنے کے بعد جیسا مسرّت اور طمانیت کا احساس ہوتا ہے، اُس سے مومنؔ کے ہاں قاری دوچار نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر سیّد عبد اللہ نے کلّیاتِ مومنؔ کے مقدمے میں مومنؔ کے اندازِ بیان پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

"مومنؔ کی تخلیقی استعداد کا یہ خاصا ہے کہ وہ غرابت کی جستجو میں رہتی ہے۔۔۔ بیان

میں فارسی کی یہ کثرت اور اضافتوں کا یہ تسلّسل مومنؔ کے عجز اظہار کی علامت نہیں، یہ حربہ اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ قاری مرعوب بھی ہو اور محظوظ بھی۔ مقصد محظوظ کر دینے والی چونکاہٹ اور غرابت پیدا کرنا ہے۔ غرض غرابت کی یہ جستجو مومنؔ کے ذوق وذہن کی خاص چیز معلوم ہوتی ہے۔"(۲۸)

مومنؔ نے مضمونِ تازہ کے پھیر میں پڑ کر ایسے اشعار کہے جو آج خوش مذاقی کے ذوق پر پورے نہیں اُترتے۔ اس قسم کے اشعار بے روح اور بے رنگ ہیں اور ان کی وجہ سے اُن کے کلام میں ناہمواری پیدا کر دی ہے جو زبان کی فصاحت اور بیان کی لطافت کے منافی معلوم ہوتی ہے۔

مومنؔ کی شاعری میں واضح طور پر دو شعری اسلوب ملتے ہیں ایک معنی جلّی اور دوسرے معنی خفی کا اسلوب۔ معنی جلّی کا اسلوب وہ ہے کہ جہاں شعر میں معنی کی سطح نہایت صاف شفّاف ہے اور کسی ابہام یا پیچیدگی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ قاری نہایت آسانی سے معنی ومفہوم کی تہہ کو پالیتا ہے۔

ے دکھاتے آئینہ ہو اور مجھ میں جان نہیں
کہو گے پھر بھی کہ میں تجھ سے بدگمان نہیں(۲۹)

معنی خفی کا اسلوب وہ ہے کہ جہاں اشعار میں ابہام ملتا ہے اور درمیانی کڑیاں غائب ہوتی ہیں، کوئی بات محذوف ہو، کوئی ربط ناموجود ہو یا کوئی سِرا ٹوٹا ہوا ہوتا ہے۔

مومنؔ کبھی کسی بات کو معمولی طریقے سے ادا نہیں کرتے۔ وہ اپنے مدّعا کو ایک خاص پُر لطف پیچ سے ظاہر کرتے ہیں اور اس خصوصیت سے اُن کا سارا دیوان بھرپڑا ہے۔ جیسے اُنھیں کہنا تھا کہ ناصح کی نصیحت بالکل بے اثر چیز ہے تو اسے کچھ یوں بیان کیا ہے:

ے بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں
کہ فغاں بے اثر نہ ہو جائے(۳۰)

لفظ اُن کے لیے ایک مہرہ بن جاتا ہے جسے شاعری کی بساط پر وہ اپنے منصوبہ کے مطابق سجا دیتے ہیں۔ ایک ماہر شاطر کی مانند وہ شعر میں لفظ کی چال پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں۔ لفظ کی حرکت اُن کی شاطرانہ طبیعت کے مطابق دھوکہ دینے کی کوشش کرتی ہے۔ قاری سمجھتا ہے کہ اُس نے شعر کے مفہوم کو سمجھ کر شاعر کو مات دے دی ہے مگر بعد ازاں ذرا سی دقتِ نظر اسے فوراً کہہ دیتی ہے کہ شاطر مومنؔ اسے مات دے گیا ہے۔ اس چیستان کو سمجھنے اور اس خلا کو پورا کرنے کے لیے بہت زیادہ غور اور عمیق فکر کی ضرورت پڑتی ہے۔ ذوقؔ اور غالبؔ کی معاصرت میں مومنؔ نے اپنے لیے امتیاز کی یہ صورت پیدا کی تھی، جس کی بنا پر وہ واقعی اپنے ان نامور معاصرین سے جُدا پہچانے جاتے ہیں۔

مومنؔ کے کلام کی سب سے نمایاں خصوصیت مکّرِ شاعرانہ ہے۔اس وصف سے مراد یہ ہے کہ شاعر بات کو یوں بیان کرے کہ بظاہر مخاطب اپنا فائدہ خیال کرے مگر درحقیقت خود شاعر کا اپنا نفع پوشیدہ ہو۔ بعض ناقدین نے مومنؔ میں بحیثیت عاشق عجب طرح کی چالاکی تلاش کر کے اسے اُنھوں نے مکرِ شاعرانہ قرار دیا ہے۔اس قسم کے اشعار مومنؔ کے کلام میں کثرت سے ملتے ہیں:

ے تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا(۳۱)

ان اشعار کے فہم سے ایک لطیف جمالیاتی حظّ محسوس ہوتا ہے۔ مومنؔ کا اسلوبِ بیاں عمدہ ہے۔وہ خود اپنی شاعری کے حوالے سے کہتے ہیں:

ے انصاف کے خواہاں ہیں، نہیں طالبِ زر ہم
تحسینِ سخن فہم ہے مومنؔ صلہ اپنا(۳۲)

ے شبِ فراق میں بھی زندگی پہ مرتا ہوں
کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پر ملال تو ہے(۳۳)

یہ شعر پڑھ کر ایک عجب طرح کا لطف اندر باہر سرایت کر جاتا ہے کہ شبِ فراق میں مرنے کی خواہش کرنا انتہائی فطری ہے اور اگر شاعر اس کے خلاف جائے اور کوئی حسین توجیہ پیش کرے تو واقعی ذہن لاجواب ہو جاتا ہے۔ مومنؔ کے اسی انداز کے دو شعر مزید ملاحظہ کیجیے:

ے اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا(۳۴)

مومنؔ اپنے طرزِ ادا میں بھی ایک انفرادی شخصیت کے طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ مومنؔ کی شاعرانہ منفرد بوطیقا کے تفصیلی مطالعہ سے یہ واضح ہے کہ اُن کے کلام میں اس قدر جامعیت، فصاحت، متانت، تراکیب کی ندرت، تازگیٔ طرز، جدّتِ معنی اور غرابت تشبیہ، حُسنِ استعارہ، خوش اسلوب کنایہ، لطیف تلمیح و پاکیٔ الفاظ، نشستِ ردیف، نظم و نسقِ کلام اور حُسنِ آغاز و انجام یک جا تھے جو متقدمین سے متاخرین تک کسی اور کو حاصل نہیں۔ مومنؔ نے پہلی مرتبہ اُردو غزل کو روایتی ڈگر سے ہٹا کر راست گوئی کے لیے ایک ہموار اور نیا راستہ فراہم کیا۔اُنھوں نے پہلی بار اُردو غزل میں محبوب کو ایک خالص نسوانی پیکر کے روپ میں پیش کیا، جو گوشت پوست کی زندہ اور ہمارے سماجی ماحول کی پروردہ خاتون تھی۔

مومنؔ اپنے عہد کے اہم شاعر تھے ،اُن کی اہمیت اور شاعرانہ عظمت و انفرادیت کا اعتراف اُن کے ہم عصروں، تذکرہ نگاروں، تاریخ نویسوں، جدید دور کے نقادوں اور محققین سبھی نے کیا ہے۔ مومنؔ اپنے عہد میں غالبؔ اور

ذوقؔ جیسے قد آور معاصر شعرا کی موجودگی کے باوجود بھی مقبول شعرا کی صف میں شمار ہوتے تھے۔ اُنھوں نے میر دردؔ کی مانند بہت زیادہ شعری سرمایہ نہیں تخلیق کیا لیکن جو بھی لکھا، خوب لکھا۔ اسی لیے نسبتاً مختصر دیوان کے باوجود مومنؔ بڑے شعرا میں شامل کیے گئے۔ مومن خان مومنؔ کے ذکر کے بغیر انیسویں صدی کے وسط کی دلّی میں اُردو غزل کے فروغ کی داستان نامکمّل رہتی ہے۔

مومن خان مومنؔ کی دقیقہ سنج طبیعت نے ظرفِ تنگنائے غزل میں قیود کے باوجود وہ جولانیاں دکھائیں اور محدود موضوع میں وہ تنوّعات پیدا کیے کہ تمام معاصرین پر سبقت لے گئے اور نفسِ غزل کے اعتبار سے بہترین غزل گو شاعر کہلائے جانے کے حقدار قرار پائے۔ اُن کی شاعری بیشتر آنے والے شعرا کے لیے نشانِ راہ ثابت ہوئی۔ مومن خان مومنؔ کو خود بھی اپنی شاعرانہ عظمت اور اپنی منفرد بوطیقا کا ادراک تھا۔

مومنؔ تجھے تو وھب ہے مومن ہی وہ نہیں
جو مُعتقد نہیں تری طبعِ سلیم کا(۳۵)

حوالہ جات

۱۔ مومن خان مومن، کلیات (جلد اول)، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۴، ص:۲۱۲

۲۔ ظہیر احمد صدیقی، پروفیسر، ڈاکٹر، مومنؔ شخصیت اور فن، دہلی: دہلی یونیورسٹی، طبع اول، ۱۹۷۲ء، ص:۱۸۳۔۱۸۲

۳۔ نیاز فتح پوری، علامہ، انتقادیات (حصہ اول و دوئم)، کراچی: حلقہ نیاز و نگار، ۱۹۹۶ء، ص:۱۴۰

۴۔ کلب علی خاں فائق رام پوری، مومن حالاتِ زندگی اور اُن کے کلام پر تنقیدی نظر، لاہور: مجلس ترقی ادب، بارِ اوّل، ۱۹۶۱ء، ص:۳۴۲

۵۔ مومن خان مومن، کلیات (جلد اول)، ص:۲۰۷

۶۔ ایضاً، ص:۱۷۵

۷۔ ادریس صدیقی، اُردو شاعری کا تنقیدی جائزہ، کراچی: سرسید بُک کمپنی، اشاعت اول، ۱۹۷۱ء، ص:۱۷۰

۸۔ مومن خان مومن، کلیات (جلد اول)، ص:۳۵

۹۔ رشید حسن خان، مومن کی پیچیدہ بیانی، مشمولہ: رسالہ غالبؔ نامہ (مومنؔ نمبر) جلد۷، شمارہ۲، نئی دہلی: غالب انسٹیٹیوٹ، ۱۹۸۵ء، ص:۴۷

۱۰۔ مومن خان مومن، کلیات (جلد اول)، ص:۴

۱۱۔ فرزند احمد صفیر بلگرامی، سید، تذکرۂ جلوۂ خضر، علی گڑھ: بک سنٹر، اشاعتِ سوم، ۲۰۱۶ء، ص:۲۴۰

۱۲۔ نور الحسن ہاشمی، ڈاکٹر، ادب کا مقصد، لکھنو: ہندوستان کتاب گھر، ۱۹۵۶ء، ص:۹۷

۱۳۔ مومن خان مومن، کلیات (جلد اول)، ص:۱۱۹

۱۴۔ ایضاً، ص:۳۶

۱۵۔ ایضاً، ص:۶۰

۱۶۔ امداد امام اثر، سید، کاشف الحقائق، نئی دہلی: ترقیٔ اردو بیورو، ۱۹۸۲ء، ص:۲۲۴

۱۷۔ مومن خان مومن، کلیات (جلد اول)، ص:۱۲۷

۱۸۔ نذیر احمد، پروفیسر، مومن خاں مومن حیات وشاعری، نئی دہلی: غالب انسٹیٹیوٹ، دسمبر ۱۹۹۱ء، ص:۶۹

۱۹۔ مومن خان مومن، کلیات (جلد اول)، ص:۲۲۷

۲۰۔ ایضاً، ص:۱۴۶

۲۱۔ ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر، مومن شخصیت اور فن، ص:۱۸۳

۲۲۔ مومن خان مومن، کلیات (جلد اول)، ص:۱۶۸

۲۳۔ ایضاً، ص:۱۴۹

۲۴۔ ایضاً، ص:۱۵۱

۲۵۔ رشید حسن خان، مومن کی پیچیدہ بیانی، مشمولہ غالب (مومن نمبر)، ص:۳۶

۲۶۔ مومن خان مومن، کلیات (جلد اول)، ص:۲۳

۲۷۔ ایضاً، ص:۴۲

۲۸۔ ایضاً، ص:۱۶۱

۲۹۔ سیّد عبد اللہ، ڈاکٹر، کلیاتِ مومن، لاہور: مجلس ترقیٔ ادب، طبع اول، جولائی ۱۹۶۴ء، ص:۴۰

۳۰۔ مومن خان مومن، کلیات (جلد اول)، ص:۲۲۷

۳۱۔ ایضاً، ص:۶۰

۳۲۔ ایضاً، ص:۴۴

۳۳۔ ایضاً، ص:۲۳۲

۳۴۔ ایضاً، ص:۲۳

۳۵۔ ایضاً، ص:۳۷